ابلاغ عامہ کے ذرائع
قومی تخریب کا نہیں
تعمیر کا ذریعہ ہونے چاہئیں

★

مولانا کوثر نیازی ایڈیٹر شہاب ... بنام ... مولانا کوثر نیازی وزیر اطلاعات

محترم دوست مولانا کوثر نیازی وزارتِ اطلاعات حج و اوقاف کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہیں۔ ملک کی تعمیرِ نو اور معاشرہ کی تطہیر میں ہماری صحافت، پریس، ریڈیو اور ٹیلی ویژن جو موثر کردار ادا کر سکتی ہیں بخوبی واضح ہے، پھر ناچ گانے والی ثقافت اور فلمی صنعت جس بے دردی سے ہماری اخلاقی قدروں کی بربادی کا ذریعہ بنتی جا رہی ہے، مولانا جیسے زیرک اور حساس انسان اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اب تک ابلاغِ عامہ کے ذرائع زیادہ تر تعمیر کا نہیں قومی تخریب کا ذریعہ بنے ہیں۔ محترم وزیرِ اطلاعات صاحب ایڈیٹر شہاب کی حیثیت سے اسلامی تہذیب و ثقافت سے متعلقہ امور پر بارہا قلم اٹھاتے رہے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے ابلاغ عامہ کے اہم ذرائع ان کی دسترس میں دیکر انہیں آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ہم ان کی خدمت میں ان ہی کی لکھی ہوئی تحریرات پر کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ خدا کرے۔ وہ اس نازک مرحلہ میں سرخروئی سے ہمکنار ہوں۔ اور اس منصب کو معاشرہ کی اسلامی تشکیل و تعمیر کا ذریعہ بنا سکیں۔ (سمیع الحق)

★

۱۔ ہم نے اس سے قبل بھی کراچی کے اخبارات میں اس قسم کے اشتہارات کا نوٹس لیا تھا۔ اور یہ بات عرض کی تھی کہ اسلام میں تہوار، جہاں تفریح اور خوشحالی کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ وہاں ان کو عبادات کا درجہ بھی دے دیا گیا ہے۔ خاص طور پر عید ہمارا سب سے بڑا تہوار ہے۔ اور اس کی بڑائی یہ نہیں ہے۔ کہ ہم کھیل کھیلیں۔ بلکہ یہ رمضان المبارک میں عبادات کی توفیق پانے پر اظہارِ تشکر کا دن ہے۔ اس لئے اس کا آغاز ایک خاص نماز سے ہوتا ہے۔ اس طرح ہماری خوشیاں اور ہماری تفریح دین و اخلاق کی اقتدار کے

تحت ہو جاتی ہیں۔

ان اعلیٰ اقدار کو قائم اور برقرار رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ہم کتنے بھی ماڈرن ہو جائیں۔ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ ہماری اپنی ایک ثقافت اور تہذیب ہے۔ مغربی تہذیب ہو۔ یا کوئی دوسری تہذیب اس کی غلامی اور اندھا دھند تقلید بہرحال ماڈرن ہونے کے مفہوم میں شامل نہیں ہو سکتی۔ ہمیں ذہنی اور تہذیبی غلامی سے اپنے آپ کو بہرحال محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اور کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم اپنے تہذیبی دائروں میں رہ کر اپنے عمل سے ان تہذیبی دائروں کا احساس دوسروں کو کرائیں۔ یہ آزاد قوموں کا ایک قابل فخر خاصہ ہوتا ہے۔ کہ وہ دوسروں کی نقل نہیں کرتیں۔ بلکہ دوسروں کو اپنی نقل کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ مسلمانوں کو کم ازکم اپنی تہذیب اور اپنے دین پر اتنا فخر ضرور ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے آپ کو غیر تہذیبوں کی غلامی کے سپرد اتنی آسانی سے نہ کر دیں۔ جس کا اظہار ان اشتہاروں میں ہوا ہے۔ (شہاب۔ ۵ر فروری ۱۹۶۷ء صلا)

۲۔۔ کراچی کے انگریزی اخبارات میں ہوٹلوں میں ناچ رنگ کی محفلوں کے اشتہارات کراچی کی زندگی کا معمول ہے۔ کہا جاتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اس سب سے بڑے تجارتی مرکز، بین الاقوامی ہوائی مستقر کی آبادی میں کچھ عناصر ایسے بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ جن کے لئے سکر فروشی سے لے کر لذت فروشی تک کا اہتمام اس شہر کو کرنا پڑتا ہے۔ ہم ذاتی طور پر اس سمجھوتے کے قائل نہیں۔ اور اسے اس جرم کے زیر عنوان رکھتے ہیں۔ جسے "اشفاقیہ جرم" کہا جاتا ہے۔ ہم سکر فروشی اور لذت فروشی کو کسی بھی عنوان سے کسی شہر میں جائز نہیں سمجھتے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ کہ پاکستان کے معاشرے میں اگر اس قسم کی تجارت کو وسعت سے دخیل ہونے کا موقع دیا گیا۔ تو پاکستان کی بنیادیں اس حد تک مضبوط نہیں رہ سکیں گی۔ جس حد تک انہیں مضبوط رہنا چاہیئے...... اس لئے ہم صرف مذہبی، اعتقادی یا جذباتی نقطۂ نظر ہی سے نہیں۔ بلکہ ٹھوس اور ٹھیٹھ قومی اور ملکی نقطۂ نظر سے بھی اس قسم کی مکروہات سے حتی المقدور قولاً اور عملاً اجتناب، کو ضروری سمجھتے ہیں۔ کراچی کے اخبارات میں ان مکروہات کی نمائش کے خلاف ہم اعلانیہ نفرت کا اظہار کرتے اور اس قسم کی "فیشن ایبل" اور "جدید" تفریحوں اور مصروفیات کو پاکستان کی قوم اور اس ملک کی ملت کے لئے زہر ہلاہل سمجھتے ہیں۔ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ کوئی مصلحت، کوئی جواز، کوئی وجہ زہر ہلاہل کو تریاق نہیں بنا سکتی۔ اس زہر کے اثرات وہی ہوں گے جو تاریخ میں مثلاً روم میں ظاہر ہوئے۔ بازنطینی حشمت وجلال پر مترتب ہوئے۔ اور جو اب انگلستان اور امریکہ کے معاشرے میں بھی کچھ ایسے خفیہ نہیں ہیں۔ وہاں کی دیکھ سکنے والی نگاہیں ان اثرات کو مستقبل کے لئے مفید نہیں سمجھ

سکتیں۔ اور ان کے خلاف احتجاج کرنے والوں کی ہرگز کوئی کمی نہیں ہے۔

اس صورت حال میں ہمارے اس ذہنی کرب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، جو لاہور سے چھپنے والے انگریزی اخبار میں اسی قبیل کے اشتہارات دیکھ کر ہوا۔ ایک نئے ہوٹل کے قیام کے بعد شاید لاہور کے پرانے فیشن ایبل ہوٹلوں نے اپنی تجارت کو متاثر محسوس کیا ہے۔ اور اسے "نئی زندگی" دینے کے لئے "رات دیر تک کھلے رہنے ——— سپین اور اطالیہ کی "پریوں" کے ناچ اور دلچسپی کے دیگر خطوط و نکات کیطرف اپنے سرپرستوں کو متوجہ کرنے کے لئے اشتہارات دینے شروع کر دئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں فواحش اور مکروہات کراچی سے لاہور تک وہ سفر پورا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جن کو لاہور نے مدتوں سے روکے رکھا تھا۔ (شہاب۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۷ء صـ۳)

۳۔ جواب کا دوسرا حصہ اس سے کہیں زیادہ سائنٹیفک اور ماڈرن تھا۔ کہا گیا۔ کہ پاکستان کی سرے سے کوئی ثقافت نہیں۔ پاکستان مختلف علاقوں کا مجموعہ ہے۔ جو اپنی ذات میں الگ الگ وحدتیں ہیں۔ ہر وحدت کی اپنی ثقافت ہے جو اپنے اپنے لوک گیتوں، لوک ناچوں، اور لوک کہانیوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ مختلف علاقوں کے یہی ٹھمکے ٹھولے ٹھمریاں پاکستان کی ثقافت ہیں۔ انہی کو ابھارنا پاکستان کی ثقافت کا اظہار کرنا ہے۔ چنانچہ جب غیر ملکی مندوبین تشریف لاتے تو ان کیساتھ بڑا لطیفہ ہوتا۔ وہ سابق صوبہ سرحد میں جاتے، تو خٹک ناچ دیکھتے۔ سابق پنجاب میں آتے تو بھنگڑا ملاحظہ کرتے، سندھ میں جاتے تو کافیاں سنتے، بلوچستان میں تشریف لے جاتے تو ان کی تواضع الغوزے سے کی جاتی۔ اس سے ان کے ذہن کو یہ تاثر دیا جاتا۔ کہ کم از کم مغربی پاکستان ایک وحدت نہیں ہے۔ یہ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کا کچومر ہے، جس کو ایک بنانے والا "وہمی" یورپ سے آتا ہے۔ یہ ڈرامہ ہو، رمبا ناچ ہو یا ٹوسٹ۔ بہر حال مغربی پاکستان کو ایک بنانے والی طاقت مغربی طاقت ہی ہے۔ ہمارے اپنے پاس کچھ نہیں۔

جواب کا یہ سائنٹیفک حصہ دراصل اسی تصور کی ایک شاخ تھا۔ جو پاکستانی ثقافت کو پانچ ہزار سال کی قدامتوں میں دھکیل کر موہنجو دارو جیسے قصبات میں محدود کرنا چاہتا تھا۔ اس تصور میں ترمیم صرف اتنی ہوتی تھی، یہ قصبے پھیل کر صوبے بن گئے، گویا صدیوں کے اثرات کو کسی حد تک قبول تو کر لیا گیا۔ لیکن بہر حال علاقائی وحدت کا جواز باقی رہا۔ واضح رہے کہ یہ سیاسی بات نہ تھی۔ خالص ثقافتی بات تھی۔ اور کیونکہ سیاست، ثقافت سے علیحدہ نہیں رکھی جا سکتی۔ اس لئے اگر اس کے بین السطور وہ تھوڑی بہت

سیاست میں ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ (شہاب ۱۲ر فروری ۱۹۶۷ء صفحہ ۵)

۴۔ صدر مملکت پاکستان پورے عالم اسلام کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اہم مسئلے کی طرف قوم کو متوجہ کیا۔ اور پاکستان پورے عالم اسلام کے شکریئے کا مستحق ہوگا۔ اگر اس کے ادیب ایسا ادب پیدا کرنے لگیں جو قوم کے اذہان کو رومان پسندی سے نکال کر حقیقت پسندی اور حقیقت بینی کی منزلوں پر لے آئے۔ (شہاب ۲ر اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ ۴)

۵۔ صوبائی وزیر قانون و پارلیمانی امور مسٹر اے۔ بی اخوند نے کراچی میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے یہ اطمینان بخش اعلان کیا ہے۔ کہ صوبائی حکومت تعلیمی اداروں میں ناچ گانے کی محفلوں پر پابندی کے حکم کو واپس نہیں لے گی۔ یہ پابندی بدستور جاری رہے گی۔

گزشتہ سال جب صوبائی حکومت نے تعلیمی اداروں میں ناچ گانے کی محفلوں پر پابندی عائد کرکے ایک عوامی مطالبے کو پذیرائی بخشی تھی۔ تو صوبے کی غالب اکثریت کی طرف سے حکومت کے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ یہ درست ہے کہ ارباب نشاط اور ان کے حامیوں کی ایک خوردبینی اقلیت نے اس فیصلے کے خلاف ناک بھوں چڑھائی۔ اور ان حلقوں نے اپنے طور پر اس کے خلاف احتجاج بھی کیا لیکن یہ واقعہ اپنی جگہ پر کسی تفصیل کا محتاج نہیں۔ کہ حکومت کے حلقوں میں اسی اظہار ناراضگی کو مغربی پاکستان کی رائے عامہ نہیں سمجھا گیا۔ اس لئے یہ قابل اعتناء قرار نہیں پایا۔ گذشتہ دنوں یہ خبر سننے میں آئی۔ کہ مرکزی حکومت نے۔ اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور سکول اور کالج ایک دفعہ پھر ان بے ہودہ دھما چوکڑیوں کے مرکز قرار پائیں گے۔ جن کو کسی بھی شریف حلقے میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس نئی کروٹ کے خلاف عوامی حلقوں میں شدید ردِ عمل ہوا۔ اور اس کی تنسیخ کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ بات نہایت درجہ اطمینان بخش ہے۔ کہ صوبائی حکومت نے اپنی پوزیشن کی وضاحت کر دی ہے، ہمیں یقین ہے کہ اس کو "سیاسی مسئلہ" بنانے والے حلقوں کی طرف سے بھی اس اعلان کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ (شہاب۔ ۲۹ر جنوری ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۲)

۶۔ اس لئے ہم ان تمام "دانشورانہ" خیالات کو مضحکہ خیز ہونے کی حد تک مہمل سمجھتے ہیں۔ اور ہم نے اس سے پہلے ایک سے زائد مرتبہ اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد ہمارے یہاں اکا دکا دانشور ایسے بھی سامنے آنے لگے ہیں۔ جو مغرب زدگی کی ان حدوں تک نہیں پہنچے کہ اپنی ہر چیز میں انہیں جہالت اور بربریت کی بو آنے لگی ہو۔ ہم سب سے زیادہ اپنے عظیم اور بلند مرتبہ دانشور مسٹر جسٹس اے۔ آر کارنیلیس کے شکر گذار ہیں۔ جنہوں نے مسلمان دانشوروں سے پہلے عالمی سطح پر اس بات کا اعلان کیا کہ اسلامی قوانین تعزیر صرف قابلِ عمل ہی نہیں، بہتر نتائج کے حامل بھی ہو سکتے ہیں۔ اور ان کو اختیار کرکے جرائم کی حتمی بیخ کنی ممکن ہے۔ (شہاب ۱۲ر فروری ۱۹۶۷ء صفحہ ۳)

■■